© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

’فکرِ مودودی‘ کیا ہے؟

پیغامِ قرآنی کی ترجمانی‘ سید مودودی کی زبانی

خرم مراد

سیدِ ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹) ہمارے دَور کی ایک عہد آفریں اور عہد ساز شخصیت تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عنایت کی کہ انھوں نے اس کے بخشے ہوئے قلم سے ان گنت دلوں میں ہلچل مچائی‘ ذہنوں کو مسخر کیا‘ زندگیوں کا رخ بدلا‘ انھیں اللہ کی راہ پر لگایا‘ اور یوں اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کی شہادت اور اقامت کے لیے جہاد کی ایک تحریک برپا کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ ‘انھوں نے نصف صدی کے لگ بھگ اللہ کی دی ہوئی قوت کی ہر رمق لگا کر اس تحریک کو‘ مرحلہ بہ مرحلہ‘ ایسی زبردست مجاہدانہ عزیمت اور حکیمانہ بصیرت کے ساتھ چلایا کہ موجودہ دور میں غلبۂ دین کے کام کے لیے راستے کھل گئے‘ اور چلنے والوں کے لیے راہ نمائی کا بیش بہا سامان فراہم ہو گیا۔ آج دنیا میں شاید ہی کوئی مقام ایسا ہو گا جہاں غلبۂ اسلام کے لیے جدوجہد ہو رہی ہو اور اس میں سید مودودی کے افکار و عمل کے نقوش اور خوشبو موجود نہ ہوں۔

ان کے قلم‘ ان کے افکار‘ ان کے عمل‘ اور ان کی آواز میں اس بے پناہ زور و قوت اور حیرت انگیز اثر آفرینی کا راز کیا ہے؟ یہ‘ اور صرف یہ‘ کہ وہ پیغامِ قرآنی کے ترجمان تھے‘ جس کی تعلیم ربِّ رحمٰن نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسان کو دی ہے! نہ ان کا پیغام نیا تھا‘ نہ ان کی فکر‘ نہ ان کی تحریک۔ جو بات نئی تھی‘ جس نے ان کی ترجمانی قرآن کو دورِ حاضر کے لیے مطابقِ حال اور اثر انگیز بنا دیا‘ وہ یہ تھی کہ انھوں نے قرآن کی تعلیمات کے اصل معانی کو زندہ کیا‘ ان میں نئے سرے سے رونق دی‘ ان کو کل کی زبان [illegible] میں بھی پیش کیا‘ دین اور زندگی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھیں وہی مقام دیا جو قرآن نے دیا تھا اور جس سے وہ ہٹ چکی تھیں' روز مرہ کی چلتی پھرتی زندگی کے ساتھ' پوری کی پوری زندگی کے ساتھ ان کا وہ تعلق قائم کیا جو قرآن کو مطلوب تھا اور جو ٹوٹ چکا تھا اور ان کے درمیان باہم وہ ربط و تناسب بحال کیا جو قرآن نے قائم کیا تھا اور جو درہم برہم ہو چکا تھا۔ یہی دراصل ان کا سب سے بڑا فکری کارنامہ ہے۔ اسی کا نام احیائے اسلام ہے۔

وہ خود کہتے ہیں: "ہم اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام کی ان تمام اصطلاحات میں پھر وہی معنی پیدا کریں جو فی الاصل ان کے اندر پنہاں تھے' اور کلمہ اسلام کے ماننے اور بولنے والے اسے اس کے پورے معنی کے ساتھ نہ صرف مانیں اور بولیں بلکہ اپنی پوری زندگی میں اسی شعور کا اظہار کریں" (روداد جماعت اسلامی (ر ج' ج ۲' ص ۱۰۱)۔

چونکہ ان کی فکر کوئی نئی فکر نہ تھی' عین ترجمان قرآن تھی' اس لیے انھوں نے انتہائی شدت کے ساتھ اس بات کا اہتمام کیا کہ ان کے افکار و آراء پر "فکر مودودی" کی چھاپ نہ لگے' ان کے گرد "فکر مودودی" کے نام سے کوئی مسلک نہ بننے پائے' ان کی تحریک امت مسلمہ میں "مودودی جماعت یا فرقہ" بن کر نہ رہ جائے اور ان کی جماعت میں شامل ہونے والا کوئی شخص قرآن و سنت کے ماسوا کسی کو' بشمول ان کے' معیار حق ماننے کا پابند نہ ہو۔

۱۹۴۱ میں جماعت کے بنتے ہی انھوں نے شدومد کے ساتھ تاکید کی: "ارکان جماعت کو میں خداوند برتر کا واسطہ دے کر ہدایت کرتا ہوں کہ کوئی شخص فقہی کلامی مسائل میں میرے اقوال کو دوسروں کے سامنے حجت کے طور پر پیش نہ کرے۔ اسی طرح میرے ذاتی عمل کو بھی" (ر ج' ج ۱' ص ۴۳)۔ اس ہدایت کی مزید وضاحت انھوں نے ایک سائل کو جواب دیتے ہوئے کی: "جماعت اسلامی میں شامل رہنے یا نہ رہنے کے لیے میری تحریروں سے اتفاق ہرگز ضروری نہیں ہے۔ یہ بات میں نے اسی روز کہہ دی تھی جس روز جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی تھی" ماہنامہ ترجمان القرآن۔ ت ق' ستمبر ۷۶' رسائل و مسائل۔ ر م' ج ۵' ص ۸۹)۔ پھر کسی بھی قسم کی غلط فہمی کے ہر امکان کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا: "میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے نہ کسی دینی منصب کا دعویٰ کیا ہے' نہ اپنی ذات کی طرف دعوت دی ہے۔ اس لیے میرے کوئی "معتقدین" ہیں ہی نہیں۔ میں اور میرے ساتھی صرف اللہ اور اس کے رسول ؐ کے معتقدین ہیں' اور ہمارا تعلق صرف راہ خدا میں ہم سفری کا ہے" (ت ق' ستمبر ۵۵' ر م' ج ۴' ص ۲۷۹)۔

اپنے نام پر کسی فکری و فقہی مسلک قائم نہ ہونے دینے کے لیے ان کا اہتمام بالکل بجا' مگر اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ سید مودودی کی فکری خدمات ملت اسلامیہ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان سب کا احاطہ تو ممکن نہیں لیکن جو خدمات بنیادی نوعیت کی ہیں انھیں ہم یہاں اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔

ان کی سب سے بڑی خدمت "اسلام کا فکری احیا" ہے۔ اس کی قدر و قیمت سمجھنا ہو تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام کیا بن چکا تھا۔ وہ خود ۱۹۳۸ء میں پٹھان کوٹ میں ان پڑھ دیہاتیوں کے سامنے ایک بڑی عام فہم تمثیل کے ذریعے صورت حال کی بڑی جامع اور مؤثر تصویر کشی کرتے ہیں:

یہ گھڑی جو آپ کے سامنے ٹنگ رہا ہے اس میں بہت سے پرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ جب اس کو کوک [چابی] دی جاتی ہے تو سب پرزے اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں

اگر آپ اسے کوک نہ دیں تو یہ وقت نہیں بتائے گا۔ اگر آپ کوک دیں لیکن اس قاعدے کے مطابق نہ دیں جو کوک دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے' تو یہ بند ہو جائے گا' یا چلے گا بھی تو صحیح وقت نہ بتائے گا۔ اگر آپ اس کے بعض پرزے نکال لیں اور پھر کوک دیں' تو اس کوک سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اگر آپ اس کے بعض پرزوں کو نکال کر سنگر مشین کے پرزے لگا دیں اور پھر کوک دیں' تو یہ نہ وقت بتائے گا نہ کپڑا سیے گا۔ اگر آپ اس کے سارے پرزے اس کے اندر ہی رہنے دیں لیکن ان کو کھول کر ایک دوسرے سے الگ کر دیں' تو کوک دینے سے کوئی پرزہ بھی حرکت نہ کرے گا

اسلام کو اس گھنٹے پر قیاس کر لیجیے [دین کے عقاید و اخلاق کے اصول اور دنیا کی ہر چیز کے حقوق سے لے کر حکومت کرنے کے قوانین تک] یہ سب اسلام کے پرزے ہیں' اور ان کو گھڑی کے پرزوں کی طرح ایک ایسی ترتیب سے ایک دوسرے کے ساتھ کسا گیا ہے کہ جونہی اس میں کوک دی جائے دنیا پر خدائی قانون کا تسلط مسلسل ظاہر ہونا شروع ہو جائے

[لیکن اب] سارے پیچ ڈھیلے ہو گئے اور پرزہ پرزہ الگ ہو کر بکھر گیا۔ آپ نے اس گھڑی کے بہت سے پرزے نکال ڈالے اور ان کی جگہ کوئی صاحب سنگر مشین کا پرزہ پسند کر کے لے آئے کسی صاحب کو آٹا پیسنے کی چکی کا کوئی پرزہ پسند آگیا تو وہ اسے اٹھا لائے۔ اب آپ مسلمان بھی ہیں اور بینک سے سودی کاروبار بھی چل رہا ہے۔۔۔ کفر کی وفادارانہ خدمت بھی ہو رہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے --- غرض کوئی غیر اسلامی چیز ایسی نہیں رہی جسے ہمارے بھائی مسلمانوں نے لا لا کر اسلام کی اس گھڑی کے فریم میں ٹھونس نہ دیا ہو۔

یہ سب حرکتیں کرنے کے بعد اب آپ چاہتے ہیں کہ کوک دینے سے یہ گھڑی چلے --- کاش میں آپ کی ہاں میں ہاں ملا سکتا۔ مگر میں کیا کروں [جس حالت میں آپ اس وقت ہیں] عمر بھر کوک دیتے رہیے گھڑی نہ چلتی ہے نہ چلے گی" (خطبات - خ ط، ص ۱۷۱ تا ۱۷۸)۔

سید مودودی نے فکر کی سطح پر باہر سے لاکر ٹھونسے ہوئے پرزوں کو نکال باہر کیا، جن پرزوں کو، مثلاً معاملات، سیاست، جہاد وغیرہ کو مسلمانوں نے ذہناً و عملاً دین سے باہر کر دیا تھا انھیں دوبارہ فٹ کیا، ہر پرزے کو، مثلاً ظاہر و باطن اور اصول و فروع کو صحیح ترتیب سے صحیح مقام پر بحال کیا، خصوصاً اس کوک کو جو سارے گھنٹے کو چلاتی ہے، یعنی ایمان کو، اور جن پرزوں کا ربط ٹوٹ گیا تھا مثلاً ایمان اور عمل کا، ان کو دوبارہ جوڑا۔ اس ضمن میں:

۱۔ سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر انھوں نے ایمان حقیقی کی بازیافت کی، جو اللہ کے نزدیک قابل قبول ہو، اس کی جنت میں لے جائے، اور دنیا میں غلبہ و سربلندی اور خلافت ارضی کا مستحق بنائے۔ یہی ان کی زندگی بھر کی کوششوں کا محور تھا، اس لیے کہ یہی پیغام قرآنی کا خلاصہ ہے: اے ایمان لانے والو، ایمان لاؤ (النساء ۴:۱۳۶)۔ انھوں نے موروثی اور رسمی ایمان کو، جس کا ربط زندگی سے کٹ چکا تھا، یا جسے زندگی کے کونے کھدرے میں رکھ دیا گیا تھا، ایک دفعہ پھر زندگی، پوری کی پوری زندگی کا، مرکز بنا دیا، ایسا مرکز جس کے دائرے سے ایک انچ زندگی بھی باہر نہیں رہ سکتی، ورنہ وہ کفر کے مترادف ہو گی۔ انھوں نے ایمان کے عوض پوری ذات اور زندگی کا سودا چکانا سکھایا، ایسا سودا جس میں جان و مال کی ہر رمق اللہ کے ہاتھ بک جاتی ہے:

"ایمان کا اقرار کرنے کے بعد تمھیں یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ جان میری ہے، جسم میرا ہے، مال میرا ہے، فلاں چیز میری ہے اور فلاں چیز میری ہے --- دوسرے کو مالک کہنا، اور پھر اس کی چیز کو اپنی قرار دینا، بالکل ایک لغو بات ہے --- تم اپنے ان ہاتھوں اور پاؤں کو بھی اس کی پسند کے خلاف ہلانے کا حق نہیں رکھتے، تم ان آنکھوں سے بھی اس کی مرضی کے خلاف دیکھنے کا کام نہیں کر سکتے، تم کو اس پیٹ میں بھی کوئی ایسی چیز ڈالنے کا حق نہیں ہے جو اس کی مرضی کے خلاف ہو، تمھیں ان زمینوں اور جانداروں پر بھی مالک کی منشا کے خلاف کوئی حق حاصل نہیں ہے--- " (خ ط، ص ۵۹)۔ اسی طرح کلمہ پڑھتے ہی "اللہ کے کلام اور اس کے رسول کی سنت کے مقابلے میں" آپ کو یہ کہنے کا حق ہی نہ رہا کہ میری رائے یہ ہے، یا دنیا کا دستور یہ ہے، خاندان کا رواج یہ ہے، یا فلاں حضرت یا فلاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بزرگ یہ فرماتے ہیں"۔ (خ ط ' ص ۵۱)

ایمان کا عملی تقاضا ہے "خدا کے مقابلے میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دستبردار ہو جانا' اور اس کی بادشاہی و فرماں روائی کے آگے سر تسلیم خم کر دینا"۔ چنانچہ سید مودودی کے نزدیک "جو اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھے یا خدا کے سوا کسی اور کے سپرد کر دے وہ مسلمان نہیں ہے" (خ ط ' ص ۵۰)۔

سید مودودی نے ایمان کا حقیقی مفہوم ہی واضح نہیں کیا' انھوں نے ہر اس بت پر بھی ضرب کاری لگائی جو زندگی کے معاملات میں حاکم بن جاتا ہے' دل میں خدا بن کر بیٹھ جاتا ہے' اور ایمان کو غارت کر دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اپنا نفس' خاندان اور معاشرہ کا رواج اور چلن' اور دنیا کے لوگ' ان میں سے ہر ایک خدا ہے اگر اللہ کے ماسوا اس کی اطاعت کی جائے۔ چنانچہ "جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہو اس کو سب سے پہلے ان تینوں بتوں کو توڑنا چاہیے--- ان کی بندگی اصل شرک ہے۔ آپ نے پتھروں کے بت توڑ دیے' اینٹ اور چونے سے بنے ہوئے بت ڈھا دیے' مگر سینوں میں جو بت خانے بنے ہوئے ہیں ان کی طرف کم توجہ کی" (خ ط ' ص ۹۰)۔ جس کی زندگی کا جو حصہ اور جو فعل خدا کے قانون کے خلاف اور ان تینوں کا مطیع ہو' وہ "اسی قدر کفر میں مبتلا ہے۔ کوئی آدھا کافر ہے' کوئی چوتھائی کافر ہے' کسی میں دسواں حصہ کفر کا ہے اور کسی میں بیسواں" (خ ط ' ص ۸۲)۔

انھوں نے اس پر شدت کے ساتھ زور دیا کہ وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے' اور حب الٰہی ایمان حقیقی کا اصل معیار۔ ایک مکمل اسلامی زندگی کی عمارت صرف ایسے ایمان پر اٹھ سکتی ہے جب "آدمی اپنی تمام ان وفاداریوں کو دریا برد کر دے جو خدا کی وفاداری کے تابع نہ ہوں بلکہ اس کے مدمقابل بنی ہوئی ہوں' یا بن سکتی ہوں۔ اپنے دل میں سب سے بلند مقام پر خدا کی محبت کو بٹھائے اور ہر اس بت کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے نہاں خانہ دل سے نکال پھینکے جو خدا کے مقابلے میں عزیز تر ہونے کا مطالبہ کرتا ہو"۔ (اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات۔ ن ز ' ص ۲۲۸-۲۲۹)۔

یہی خلاصہ ہے ایمان کی بازیافت کا۔

۲۔ ایمان کو مرکز زندگی بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ عمل اس کے تقاضوں کے مطابق ہو' ایمان کے بیج سے پھوٹنے والی زندگی کی ہر شاخ' عمل صالح کے پھلوں' پھولوں' پتیوں سے لدی ہوئی ہو۔ اسی لیے قرآن مجید نے ایمان اور عمل صالح کا ذکر لازم و ملزوم کے طور پر ساتھ ساتھ کیا۔ بدقسمتی سے' تکفیر کے ابتدائی فتنوں کی وجہ سے' جب ایمان کی قانونی تعریف پر زور دیا گیا' تو ایمان و عمل کے درمیان یہ رشتہ لاینفک ذہنوں میں مدھم یا مفقود ہو گیا' اور عمل میں انتہائی ضعیف۔ سید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مودودی نے دوسرا کام یہ کیا کہ ان دونوں کا تعلق ایک دفعہ پھر استوار کیا۔

مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کیوں ہے' وہ یہ سوال بار بار اٹھاتے ہیں' اور ہر بار ایک ہی جواب دیتے ہیں: علم اور عمل کی وجہ سے۔ "کافر بھی آدم کی اولاد ہے اور تم بھی۔ کافر بھی ایسا ہی انسان ہے جیسے تم ہو۔ وہ بھی تمھارے ہی جیسے ہاتھ پاؤں' آنکھ کان رکھتا ہے۔ اسی خدا نے اس کو بھی پیدا کیا ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے تمھیں کیوں جنت ملے گی اور وہ کیوں دوزخ میں ڈالا جائے گا؟" اصل فرق نام کا نہیں' لباس کا نہیں' پیدائش کا نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ "ایسا ظلم تو کبھی نہیں کر سکتا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر۔۔۔ ایک بندے کو جنت میں بھیجے اور دوسرے کو دوزخ میں پہنچا دے"۔ لہٰذا "مسلمان کو کافر سے جدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہیں: ایک علم' دوسری عمل" (خ ط' ص ۲۶-۲۷)۔

پھر وہ حقیقی ایمان کے لیے عمل کے ناگزیر ہونے پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں: کیا آپ کو اس پر ہنسی نہ آئے گی جو "کسی حکیم سے نسخہ لکھوا کر لائے اور اسے کپڑے میں لپیٹ کر گلے میں باندھ لے یا اسے پانی میں گھول کر پی جائے؟" کیا آپ اسے پاگل خانے نہ بھجوائیں گے جو "علم طب کی کوئی کتاب لے کر پڑھنے بیٹھ جائے اور یہ خیال کرے کہ محض اس کتاب کو پڑھ لینے سے بیماری دور ہو جائے گی"۔ (خ ط' ص ۴۶)۔ لیکن یہی ساری ستم ظریفیاں مسلمان اللہ کی کتاب کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسی طرح "اگر تم زبان سے روئی لحاف پکارنا شروع کر دو تو سردی لگنی بند نہ ہوگی اگر تم صبح سے شام تک پانی پانی پکارتے رہو تو پیاس نہ بجھے گی۔ بس یہی حال کلمہ طیبہ کا ہے"۔ چنانچہ اگر معنی "دل میں اتریں' اور ان کے زور سے تمھارے خیالات' تمھارے اخلاق اور تمھارے اعمال نہ بدلیں' تو نرے الفاظ بول دینے سے کچھ بھی اثر نہ ہوگا" (خ ط' ص ۵۴-۵۵)۔

۲- ایمان کا مطالبہ ہے پوری زندگی میں خدا کی عبادت: یہی قرآن کی دعوت ہے۔ لیکن عبادت کا مفہوم مراسم عبودیت تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ سید مودودی نے عبادت کے معنی کو مراسم عبودیت کی سطح سے اٹھایا' اور' جیسا قرآن کو مطلوب ہے' اسے زندگی کے تمام شعبوں اور انسانی دنیوی کاموں تک پر محیط کر دیا۔ اس طرح نماز روزہ زکوۃ وہ ستون بن گئے جن پر صالح زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے' یا وہ تنا جو ایمان کے بیج کو اعمال صالحہ کے ثمربار درخت میں تبدیل کرتا ہے۔

کیسی حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ "رات دن خدا کا قانون توڑتے ہیں۔۔۔ اپنی زندگی کے معاملات میں خدا کے احکام کی پروا نہیں کرتے' ان کی نماز اور روزے اور تسبیح اور تلاوت قرآن کو آپ خدا کی عبادت سمجھتے ہیں"۔ حالانکہ عبادت کچھ اور ہی چیز ہے: "آپ کی ہر جنبش اس حد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ رہو جو خدا نے آپ کے لیے مقرر کی ہے۔ آپ کا ہر عمل اس طریقے کے مطابق ہو جو خدا نے آپ کے لیے مقرر کیا ہے..... ایسی زندگی میں آپ کا سونا بھی عبادت ہے اور جاگنا بھی' کھانا بھی عبادت ہے اور پینا بھی' چلنا پھرنا بھی عبادت ہے اور بات کرنا بھی' حتیٰ کہ اپنی بیوی کے پاس جانا اور اپنے بچے کو پیار کرنا بھی عبادت ہے (خ ط' ص ۱۲۶)۔ جو ایک خدا کو معبود بنائے وہ "اپنی پوری زندگی کو' خواہ وہ شخصی ہو یا اجتماعی' اخلاقی ہو یا مذہبی' تمدنی و سیاسی اور معاشی ہو یا علمی و نظری' اسی ایک خدا کی بندگی میں سپرد کر دے" (تحریک اسلامی کا آیندہ لائحہ عمل۔ ل ع، ص ۴۴)۔ نماز روزہ ہو اور اخلاق صالحہ نہ ہوں' اس تناقض پر بھی وہ ضمیر کو جنجھوڑتے ہیں: یہ کس طرح ممکن ہے کہ آدمی نماز پڑھ کر "جب اپنے کام کاج کی طرف واپس آئے تو جھوٹ بولے؟ بے ایمانی کرے؟ لوگوں کے حق مارے؟ رشوت کھائے اور کھلائے؟ سود کھائے اور کھلائے؟ خدا کے بندوں کو آزار پہنچائے" (خ ط' ص ۱۵۸)۔

۴۔ ہر مسلمان موت کے بعد حساب کتاب اور جزا سزا پر ایمان رکھتا ہے' لیکن اس ایمان کا اثر اس کی دنیوی زندگی پر نہیں پڑتا۔ چوتھا کام انھوں نے یہ کیا کہ ایک طرف یہ یقین واضح اور مضبوط کیا کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے' اور دوسری طرف دنیا اور آخرت کی زندگی کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا: آخرت میں جو کچھ ملے گا' دنیا کے اعمال کا نتیجہ ہو گا' اس لیے دنیا کا ہر لمحہ' ہر کام اور ہر چیز اہم ہے۔ "دنیا اور آخرت دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں' بلکہ ایک ہی سلسلہ ہے جس کی ابتدا دنیا ہے اور انتہا آخرت..... [یہاں] گیہوں بوئیں گے تو گیہوں پیدا ہو گا' کانٹے بوئیں گے تو کانٹے ہی پیدا ہوں گے' کچھ نہ بوئیں گے تو کچھ نہ پیدا ہو گا" (خ ط' ص ۳۷)۔

۵۔ دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے قانون الٰہی کی اطاعت پر جتنا زور سید مودودی نے دیا' اتنا ہی زور انھوں نے اعمال کی اصل حقیقت اور روح پر دیا' اور اسے دلوں میں اتارا۔ اس طرح انھوں نے ظاہری اعمال اور باطنی ترقی کو پھر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا۔ ایک طرف انھوں نے اعمال کے بے مقصد اور بے روح ہو جانے کا ماتم کیا اور اسے مسلمانوں کے اعمال بے اثر ہو جانے کا اصل سبب قرار دیا۔ دوسری طرف انھوں نے بے جان' رسمی مذہبیت پر پے درپے ضربیں لگائیں۔

اگر عبادات کی ادائیگی کے باوجود' زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی' نہ مسلمان اللہ سے عہد وفا' وفا کرنے کے لیے کوئی قدم اٹھاتا' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ روح رخصت ہو چکی ہے اور اعمال جسد مردہ بن چکے ہیں"۔ "نہ اب نمازوں میں وہ اثر ہے جو کبھی تھا' نہ روزوں میں ہے' نہ قرآن خوانی میں اور نہ شریعت کی ظاہری پابندیوں میں۔ اس لیے کہ جب روح ہی موجود نہیں تو نرا بے جان جسم کیا کرامت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکھائے گا!" (خ ط ' ص ۱۰۱)۔ اگر نماز جیسی زبردست اصلاح کرنے والی چیز سے بھی کسی مسلمان کی اصلاح نہیں ہوتی تو "یہ اس کی طینت کی خرابی ہے ' نماز کی خرابی نہیں۔ پانی اور صابن کا قصور نہیں ' اس کی وجہ کوئلے کی اپنی سیاہی ہے" (خ ط ' ص ۱۵۰)۔

یہ روح کیا ہے؟ خدا کی غیر مشروط اور مکمل وفاداری ' اور سب سے بالاتر اس کی محبت! یہ روح جتنی قوی ہوگی ' اتنی ہی روحانی اور باطنی ترقی ہوگی۔ ورنہ ' روحانی ترقی یہ نہیں ہے کہ "آدمی ایک اچھا ریڈیو سیٹ ' ایک طاقت ور دوربین اور ایک نازک خوردبین بن جائے..." (ن ز ' ص ۲۶۴)۔ نہ زہد و تقویٰ اور احسان یہ ہے کہ آدمی چند مخصوص شکلوں کی پابندی کرے ' مصنوعی طور پر اپنے کو ایسے سانچے میں ڈھال لے جس کی پیمایش کی جا سکتی ہو ' چاشت اور اشراق اور تہجد کے نوافل پڑھے ' ذکر و شغل اور مراقبے کرے ' اگر ایک نہ ہو " تو وہ حقیقی دینداری جو سر داد نہ داد دست در دست یزید ' کی کیفیت پیدا کرے ' اور ' بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا ' کے مقام وفاداری پر پہنچا دے" (ن ز ' ص ۲۴۵-۲۵۱)۔

۶- راہِ خدا میں سر دینے اور قدم یار پر نثار کرنے کی آرزو اور جستجو کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ قرآن ایمان اور جہاد کے درمیان بھی لازم و ملزوم کا رشتہ قائم کرتا ہے ' وہ جہاد کا ذکر ایمان کے ساتھ ایمان کے لازمی تقاضے اور ایمان صادق کی کسوٹی کے طور پر بار بار کرتا ہے۔ سچے مومن وہ ہیں جو جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کریں (الحجرات ۴۹:۱۵)۔ عمل صالح کی ایک جامع تعبیر صلوٰۃ و زکوٰۃ ہے ' تو دوسری ' جہاد فی سبیل اللہ۔ لیکن جہاد تمام اعمال میں چوٹی کا عمل ہے۔ امتِ مسلمہ کا مقصد وجود ہے ' کہ یہ اس کے مشن کی تکمیل کی جدوجہد ہے۔ اسی لیے قرآن مطالبہ کرتا ہے کہ مومن کو جہاد دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اس طرح محبوب ہونا چاہیے جس طرح اللہ اور اس کے رسول (التوبہ)۔ جہاد کی پکار بلند ہوتے ہی ' وہ ہر عذر کو ترک کر کے اور ہر قربانی دے کر جہاد کے لیے نکل کھڑا ہو۔ لیکن بدقسمتی سے عرصے سے مسلمان یہ سمجھنے لگے تھے کہ جہاد کے لیے انھیں جنبش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ' کہ جہاد نہ کرنے سے ان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سید مودودی کا سب سے بڑا فکری کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ایمان اور جہاد کے درمیان جو خلیج پیدا ہو چکی تھی اسے پاٹ دیا ' جو زنجیر ٹوٹ چکی تھی ' اسے جوڑ دیا۔ انھوں نے ایک ایک کر کے قرآن کے پیغام جہاد کے تمام اجزا کو زندہ کیا اور اسے مومن کے قلب و نگاہ میں وہی مقام دیا جو قرآن کو مطلوب ہے۔ یہ بات محض حسن اتفاق نہیں کہ ان کی فکری خدمات کا آغاز ہی الجہاد فی الاسلام جیسی معرکہ آرا کتاب سے ہوا ' جس کی نظیر ... اس کتاب کے ذریعے انھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اغیار کی بڑی قلم کاریوں سے بنائی ہوئی اس تصویر کا طلسم بھی توڑ دیا کہ جہاد کی وجہ سے اسلام کی تاریخ سے بوئے خون آتی ہے، یہ اس کی دہشت گردی کا مظہر ہے۔ ان کی نظر میں جہاد سے غفلت ہی وہ مرض ہے جو ہر عمل کی، خصوصاً نماز، روزے کی جان نکال لیتا ہے: "اب میں تمھیں بتاتا ہوں کہ جس دل میں جہاد کی نیت نہ ہو اور جس کے پیش نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اس کی ساری عبادتیں بے معنی ہیں" اور نہ ان سے اسے خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے (خ ط، ص ۳۱۸)۔ کیونکہ "اگر آپ واقعی اس دین کو حق سمجھتے ہیں تو آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس دین کو زمین پر قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں، اور یا تو اسے قائم کر کے چھوڑیں یا اس کوشش میں جان دے دیں" (خ ط، ص ۳۲۶)۔ یہی کسوٹی ہے ایمان کی صداقت کی۔

جہاد کی یہ اہمیت مسلمانوں کے ذہنوں سے کیوں غائب ہو گئی؟ "یہ سوال مجھ سے نہ کیجیے بلکہ ان لوگوں سے کیجیے جنھوں نے مسلمانوں کی توجہ ان کے اصل مشن سے ہٹا کر نجات اور فلاح اور حصول مقاصد کے لیے شارٹ کٹ تجویز کیے، اسلام کے کلیات اور اصول و مقاصد کو لپیٹ کر تاریک گوشوں میں پھینک دیا اور مسلمانوں کے ذہن کو جزئیات کی بحثوں میں ایسا پھنسایا کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے مقصد تخلیق کو اور اسلام کی حقیقت کو قطعی بھول گئے" (ن ذ، ص ۳۲۵)۔

۷۔ جہاد کو جو اعلیٰ مقام قرآن نے دیا ہے، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف وہی امت مسلمہ کے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ سید مودودی کے سارے فکری کارنامے کا مدعا و مقصود یہی ہے کہ انھوں نے اسلام اور مسلمان کی اصل حقیقت اور امت کے مقصد و مشن کو آشکارا کیا، اس کی طرف مسلسل پکارتے رہے، اور ایمانی زندگی اور جہاد کو اس کے تابع کر دیا۔ انھوں نے کہا: اسلام کو عام معنوں میں ایک مذہب سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ "دراصل اسلام ایک انقلابی نظریہ و مسلک ہے جو تمام دنیا کے اجتماعی نظم کو بدل کر اپنے نظریہ و مسلک کے مطابق اسے تعمیر کرنا چاہتا ہے"۔ اسی طرح، مسلمانوں کو عام معنوں میں محض ایک قوم سمجھ لیا گیا ہے، جبکہ "مسلمان اس بین الاقوامی انقلابی جماعت کا نام ہے جسے اسلام اپنے مطلوبہ انقلابی پروگرام کو عمل میں لانے کے لیے منظم کرتا ہے"۔ (ت ق، م ۲۹، ن ذ، ص ۲۹۸)۔ اور ہر دین کی طرح یہ دین بھی یہی کہتا ہے کہ اقتدار خالصتاً و مخلصتاً میرا ہونا چاہیے، اور ہر دوسرا دین میرے مقابلے میں مغلوب ہونا چاہیے" (خ ط، ص ۳۲۴)۔

اسی لیے "امت بنانے کی واحد غرض جو قرآن میں بیان کی گئی ہے، وہ یہی ہے کہ آپ تمام بندگان خدا پر شہادت حق کی حجت پوری کریں"۔ یہی آپ کی امت کا عین مقصد وجود ہے، جسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے پورا نہ کیا تو گویا اپنی زندگی ہی اکارت گنوا دی" (ن د ص ۳۲)۔ اور اسی لیے "دین میں امامت صالحہ کے قیام اور نظام حق کی اقامت کو مقصدی اہمیت حاصل ہے' اور اس چیز سے غفلت برتنے کے بعد کوئی عمل ایسا نہیں ہو سکتا جس سے انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو پہنچ سکے اس معاملے میں جو شخص کمزوری دکھائے اس کا ایمان ہی مشتبہ ہے' پھر بھلا کوئی دوسرا عمل اسے کیا نفع پہنچا سکتا ہے۔ اس کے ایمان ہی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی تمام سعی و جہد کو اس ایک مقصد پر مرکوز کر دے...... روئے زمین پر اگر صرف ایک ہی مومن ہو تب بھی اس کے لیے درست نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اکیلا پاکر اور ذرائع مفقود دیکھ کر نظام باطل کے تسلط پر راضی ہو جائے' یا ---- شرعی حیلے تلاش کر کے غلبہ کفر و فسق کے ماتحت کچھ آدھی پونی مذہبی زندگی کا سودا چکانا شروع کر دے --- (ن ز ص ۲۱۱ تا ۲۱۲)۔

آدمی اکیلا بھی ہو تو "سیدھا اور صاف راستہ یہی ایک ہے کہ بندگان خدا کو اس طریق زندگی کی طرف بلائے جو خدا کو پسند ہے"۔ کوئی "سن کر نہ دے تو اس کا ساری عمر صراط مستقیم پر کھڑے ہو کر لوگوں کو پکارتے رہنا اور پکارتے پکارتے مرجانا" اس سے بہتر ہے کہ وہ غلط صدائیں بلند کرنے لگے یا غلط راہوں پر چلنے لگے (ن ز ص ۲۱۳)۔

پھر وہ اقامت دین کے لیے جماعتی زندگی ناگزیر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں' کہ چونکہ "یہ مقصد اعلیٰ اجتماعی کوشش کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا" اس لیے کوئی بھی سننے والا مل جائے تو "لازم ہے کہ ان کے ساتھ مل کر ایک جتھا بنائے اور یہ جتھا اپنی تمام اجتماعی قوت اس مقصد عظیم کے لیے جدوجہد کرنے میں صرف کر دے" (ن ز ص ۲۱۳)۔

خدا کا حکم ماننے میں آزمایشوں اور جہاد میں قربانیوں سے مفر نہیں۔ وہ ان کے لیے بھی تیار کرتے ہیں: "مالک کی مرضی کے مطابق کام کرنے میں کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ جان جاتی ہو تو جائے' ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹیں' اولاد کا نقصان ہوتا ہے تو ہو' مال و جائیداد برباد ہو تو ہوا کرے' تمھیں کیوں غم ہو؟ جس کی چیز ہے وہی نقصان پسند کرتا ہے تو اس کو حق ہے" (خ ط ص ۶۰)۔

۸۔ اگر تاریخ کا عمل صرف اندھی مادی و طبیعی قوتوں کا کھیل ہو' تو ایمان لازماً زندگی کے کونے کھدرے میں پہنچ جاتا ہے۔ مگر قرآن کے اتباع میں' سید مودودی ایمان کو' دل کی طرح' تاریخ میں بھی مرکز و محور بنا دیتے ہیں۔ قوموں کا مقدر ایمان اور اخلاق کی میزان میں تلتا ہے' اور اٹھتا اور گرتا ہے۔ "اخلاقی قوانین ہی انسان کے عروج و زوال پر فرماں روا ہیں" (ن ز ص ۲۱۷)۔ "اخلاقی طاقت کی فراوانی مادی وسائل کے فقدان کی تلافی کر دیتی ہے مگر مادی وسائل کی فراوانی اخلاقی طاقت کے فقدان کی تلافی کبھی نہیں کر سکتی" (ت ن ص ۲۹۳)۔ اس تناظر میں وہ بار بار امت مسلمہ کی حالت زوال کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذکر کرتے ہیں' اور بار بار زور دے کر کہتے ہیں کہ تمھارا مقدر' تمھاری موجودہ ذلت و غلامی اور مستقبل کی سربلندی صرف ایمان اور جہاد سے وابستہ ہے۔

"کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان اور اس پر خدا کا غضب نازل ہو! مسلمان اور ذلیل ہو! مسلمان اور غلام ہو! یہ تو ایسی ناممکن بات ہے جیسے کوئی چیز سفید بھی ہو اور سیاہ بھی"۔ (خ ط' ص ۴۰)۔ "یہ قطعی ناممکن ہے کہ کوئی قوم خدا کے کلام کی حامل ہو اور پھر دنیا میں ذلیل و خوار ہو' دوسروں کی محکوم ہو' پاؤں میں روندی اور جوتیوں سے ٹھکرائی جائے' اس کے گلے میں غلامی کا پھندا اور غیروں کے ہاتھوں میں اس کی باگیں ہوں اور وہ اس کو اس طرح ہانکیں جیسے جانور ہانکے جاتے ہیں" (خ ط' ص ۴۸)۔

یہ صورت حال کیوں ہے؟ "کیا نعوذ باللہ تمھارا خدا ظالم ہے؟ --- اگر تمھارا ایمان ہے کہ خدا ظالم نہیں ہے' اور اگر تم یقین رکھتے ہو کہ خدا کی فرماں برداری کا بدلہ ذلت سے نہیں مل سکتا' تو پھر تمھیں ماننا پڑے گا کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ جو تم کرتے ہو اس میں کوئی غلطی ہے"۔ (خ ط' ص ۴۰)۔ مزید' جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر ذلیل و خوار اور محکوم و مغلوب ہو' تو سمجھ لیجیے کہ وہ ضرور کتاب الٰہی پر ظلم کر رہی ہے' اور اس پر یہ سارا وبال اسی ظلم کا ہے۔ خدا کے اس غضب سے نجات پانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس کی کتاب کے ساتھ ظلم کرنا چھوڑ دیا جائے" (خ ط' ص ۴۹)۔ ہم حق کی شہادت دینے میں جتنی کوتاہی کرتے گئے' اور باطل کی شہادت ادا کرنے میں ہمارا قدم جس رفتار سے آگے بڑھا ہے' ٹھیک اسی رفتار سے ہم گرتے چلے گئے ہیں --- دنیا کی صفائی و اصلاح کے ذمے دار ہم تھے۔ ہم نے اپنا فرض منصبی ادا کرنا چھوڑ دیا تو دنیا خاردار جنگلوں سے بھر گئی' اور ان کا سب سے زیادہ پرخار حصہ ہمارے نصیب میں لکھا گیا (ن ز' ص ۳۴۵)۔

لیکن' اگر مسلمان قرآن کی دعوت پر لبیک کہیں اور اپنا فریضہ بحیثیت مسلمان ادا کریں' تو سید مودودی پورے یقین کے ساتھ انھیں یہ بشارت دیتے ہیں: "ایک وقت وہ آئے گا جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لیے پریشان ہو گا [زمین بوس ہو گیا!]' سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لیے لرزہ براندام ہو گی' --- اور یہ آج کا دور صرف تاریخ میں ایک داستان عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ اسلام جیسی عالم گیر' جہاں کشا طاقت کے نام لیوا کبھی اتنے بے وقوف ہو گئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے (ن ز' ص ۲۴۵)۔

امت مسلمہ کی ترقی اور سربلندی کا کوئی نسخہ' ان کی نظر میں' ایمان اور عمل صالح کے ماسوا نہیں۔ "ایک قوم کو جو چیز زندہ اور طاقت ور اور سربلند بناتی ہے --- وہ اصول ہیں جن پر اس کی تہذیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم ہوتی ہے' اور پھر ان اصولوں کا دلوں میں راسخ ہو جانا اور اعمال پر حکمراں بن جاتا ہے" (ت ن ' ص ۲۴۳-۲۴۴)۔ اسی لیے' ترقی اور غلبے کے لیے "آپ تعجب کریں گے کہ قرآن نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم یونی ورسٹیاں بناؤ' کالج کھولو' کارخانے قائم کرو' کمپنیاں قائم کرو' بینک کھولو' سائنس کے آلات ایجاد کرو ۔ ۔ " (ت ن ' ص ۲۴۶)۔ اگرچہ' وہ فوراً وضاحت کر دیتے ہیں کہ "اس کا یہ مطلب نہیں کہ علوم و فنون اور مادی ترقی کے وسائل کی جائز اہمیت سے انکار ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان قوم کے لیے یہ تمام چیزیں ثانوی درجے پر ہیں" (ت ن ' ص ۲۴۸)۔

۹۔ دین میں انحراف و بگاڑ کا سب سے بنیادی سبب' سید مودودی کے نزدیک' عبادت اور دین کا زندگی کے چند گوشوں تک محدود ہو جانے' دین و سیاست کی تفریق' اور خلافت کے بالتدریج ملوکیت میں تبدیل ہونے کا عمل ہے اور احیائے ایمان کا لازمی نتیجہ اسلام کی ریاست مطلوب' مکمل اسلامی نظام حیات' اور اسلامی تہذیب کا قیام ہوگا۔ اس انحراف کو دور کرنے اور مطلوبہ نتیجہ حاصل کرنے کے لیے سید مودودی نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

انھوں نے اس تصور کو کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ آج کے زمانے میں مقبول عام بنا دیا: "اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے' نماز' روزے اور حج و زکوۃ سے ہو یا معیشت و معاشرت اور تمدن و سیاست سے' اسلام کا کوئی حصہ بھی غیر ضروری نہیں ہے' پورے کا پورا اسلام ضروری ہے" (ل ع ' ص ۳۹)۔ انھوں نے دین و سیاست کی تفریق کے تصور کو فکر کی سطح پر ختم کر دیا: "مسلمان اپنے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے جب تک وہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم نہ کر لیں"۔ اس لیے "خدا کے دین کے لیے حکومت کا طالب ہونا تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا عین تقاضا ہے" (اد ' ص ۵۶-۵۷)۔ یہ فکر بھی رائج عام ہوگئی۔ انھوں نے اسلامی ریاست کے خدوخال' اصول اور دستور کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور اس کے بگاڑ کے راستوں کی بھی نشان دہی کی (اسلامی ریاست اور خلافت و ملوکیت)۔

اسلامی ریاست کے ضمن میں انھوں نے تفصیل سے اور محکم استدلال کے ساتھ اسلام میں جمہوریت کا اثبات کیا: "خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بناؤں گا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سب مومن خلافت کے حامل ہیں۔ یہ ہے اسلام میں جمہوریت کی بنیاد ۔ ۔

"ایسی سوسائٹی میں کسی شخص یا گروہ کی ڈکٹیٹرشپ کے لیے کوئی گنجایش نہیں' اس لیے کہ یہاں ہر شخص خلیفہ ہے' کسی شخص یا گروہ کو یہ حق نہیں ہے کہ عام مسلمانوں سے ان کی خلافت کو سلب کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود حاکم مطلق بن جائے۔ ۔ ایسی سوسائٹی میں ہر عاقل و بالغ مسلمان کو' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہیے' اس لیے کہ وہ خلافت کا حامل ہے" (اسلامی ریاست ۔ ا' ص ۱۴۔۳ ۱۴۴ بحوالہ اسلام کا نظریہ سیاسی' ۱۹۳۹)۔

"ریاست کے نظام کو چلانے کے لیے [مغربی جمہوریت] میں بھی عام رائے دہندوں کی رائے سے حکومت بنتی اور بدلتی ہے' اور ہماری جمہوریت بھی اسی کی متقاضی ہے" (ا' ص ۲۲)۔

۱۔ ناقص ایمان اور اسلام کو پرائیویٹ زندگی میں چند مراسم تک محدود کر دینے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تناقضات پر سید مودودی نے بھرپور تنقید کی: "کیا اس [ایمان میں] نقص کی کسر ڈاڑھیوں کے طول اور لباس کی تراش خراش یا سبحہ گردانی یا تہجد خوانی سے پوری ہو سکتی ہے" (ن ذ' ص ۲۲۸)۔ "اپنے کو مسلمان بھی کہنا' اور پھر قرآن و سنت کے مقابلے میں اپنے خیال یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول یا عمل کو ترجیح دینا' یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں"۔

لیکن یہ فتوے کی زبان نہیں' نصیحت' موعظہ حسنہ اور جدال بالاحسن کی زبان ہے۔ اس لیے وہ ایک طرف یہ وضاحت کر دیتے ہیں کہ "میری ان باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وضع قطع' لباس اور معاشرت کے ظاہری پہلوؤں کے متعلق جو آداب و احکام حدیث سے ثابت ہیں' میں ان کا استخفاف کرنا چاہتا ہوں' یا انھیں غیر ضروری قرار دیتا ہوں۔ خدا کی پناہ اس سے کہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال ہو" (ن ذ' ص ۲۴۷)۔ دوسری طرف وہ کہتے ہیں: "کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ میں مسلمانوں کو کافر بنانے چلا ہوں۔ نہیں' میرا یہ مقصد ہرگز نہیں" (خ ذ' ص ۴۱)۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تکفیر اور فرقہ واریت کے خلاف جتنا مضبوط بند انھوں نے باندھا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

اول' انھوں نے حقیقی اور قانونی اسلام میں امتیاز قائم کیا' جو اس فتنہ کی روک تھام کے لیے بہت بڑی خدمت ہے۔ انھوں نے کہا: ضروری ہے کہ اسلام کے زبانی "اقرار کے ساتھ جتنے لوگ مسلم سوسائٹی میں داخل ہوں وہ سب مسلمان مانے جائیں' ان میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے" (خ ط' ص ۳۔۱)۔ انھیں وہ حقوق دینے سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا جو ان کو مسلم سوسائٹی میں حاصل ہوں (ا' ص ۴۵)۔

دوسرے انھوں نے تکفیر کے بارے میں یہ اہم اصول قائم کیا: "میں یہ بات قطعی جائز نہیں سمجھتا کہ ان لوگوں کو مشرک کہا جائے اور مشرکین کا معاملہ ان کے ساتھ کیا جائے' جو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل ہیں ۔ اور اس کی بعد تاویل کی غلطی کے باعث کسی مشرکانہ عقیدے اور عمل میں مبتلا ہو گئے ہیں' ہمیں ان پر کوئی بر القب چسپاں کرنے کے بجائے حکمت اور استدلال سے ان کی یہ غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے" (ر م' ج ۳' ص ۴۵۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی لیے انھوں نے نصیحت کی کہ جو لوگ سب کی اصلاح کے لیے اٹھے ہوں وہ سب مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کی خرابیوں کو ہمدردی اور محبت کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک عام غلط فہمی کو دور کیا: "رہا یہ اندیشہ کہ جس شخص کو آپ اپنے نزدیک گمراہی اور شرک میں مبتلا پاتے ہیں اس کی نماز چونکہ آپ کے عقیدے کے مطابق مقبول نہیں ہے' اس لیے اگر آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے تو آپ کی نماز نہ ہوگی' تو یہ اصلاً غلط ہے۔ اول تو آپ یہ فیصلہ کرنے کے مجاز ہی نہیں ہیں کہ کس کی نماز مقبول ہوگی اور کس کی نہ ہوگی۔ ایسے فیصلے کرنے کے بجائے زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنی نماز کی مقبولیت کے لیے بھی دعا کریں اور دوسروں کی نماز کی مقبولیت کے لیے بھی۔ دوسرے یہ کہ ہر فرد کی نماز انفرادی حیثیت ہی سے خدا کے حضور پیش ہوتی ہے' اور اگر وہ مقبول ہونے کے قابل ہو تو بہر حال مقبول ہو کر رہتی ہے' خواہ امام کی نماز مقبول ہو یا نہ ہو"۔ (د م' ح ۱' ص ۲۰۱-۲۰۲)

تیسرے' انھوں نے دین اور شریعت کے درمیان فرق قائم کیا' جس کو نہ سمجھنا تکفیر اور فرقہ واریت کی جڑ ہے۔ ایک دین کا ماننا سب کے لیے ضروری ہے' مگر لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق شریعت پر چل سکتے ہیں۔ خواہ ان کے عمل میں کتنا ہی فرق ہو' ان میں سے کوئی اسلام سے خارج نہ ہوگا۔۔۔ جو دوسروں کو اپنی سمجھ کے ماننے پر مجبور کرتا ہے' اور نہ ماننے پر ان کی تکفیر کرتا ہے' وہ گویا کہتا ہے کہ "صرف خدا ہی تمہارا خدا نہیں' بلکہ میں بھی چھوٹا خدا ہوں" (خ ط' ص ۱۲۴-۱۲۵)۔

چوتھے' انھوں نے منصوص اور غیر منصوص کے درمیان فرق قائم کیا' اور صاف کہا کہ: "اس اصول پر مجھے شدت سے اصرار ہے کہ آدمی صرف حکم منصوص کی خلاف ورزی سے ہی گناہ گار قرار پا سکتا ہے۔۔۔ اسی طرح مجھے اس بات پر بھی اصرار ہے کہ حرام صرف وہ ہے جسے خدا اور رسول ؐ نے بالفاظ صریح حرام کہا ہو' یا جس سے صاف الفاظ میں منع کیا ہو' یا جس میں مبتلا ہونے والے کو سزا کی وعید سنائی ہو' یا نصوص کے اشارات و اقتضاءات سے جن کی حرمت مستنبط ہونے پر اجماع ہو"۔ اجتہادی احکام کی خلاف ورزی کسی کو گناہ گار نہیں بناتی' اور اجتہاد سے حرام ٹھیرائی چیزیں' جن میں ایک سے زیادہ قول کی گنجائش ہو' مطلقاً حرام نہیں ہیں' سوائے اس شخص کے لیے جو اس اجتہاد کو صحیح تسلیم کرے (د م' ح ۲' ص ۱۷۲)۔

پانچویں انھوں نے منصوص و غیر منصوص اور مسنون و غیر مسنون کے درمیان فرق قائم کیا "میرے نزدیک کسی غیر منصوص چیز کو منصوص کی طرح قرار دینا' اور کسی غیر مسنون چیز کو (جو اصطلاح شرعی کے لحاظ سے سنت نہ ہو) سنت قرار دینا' بدعت ہے اور ان خطرناک بدعتوں میں سے ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم و معروف بدعتوں کی بہ نسبت زیادہ تحریف دین کی موجب ہوتی ہیں۔ اسی قبیل سے یہ ڈاڑھی کا معاملہ ہے۔ لوگوں نے غیر منصوص مقدار کو ایسی حیثیت دے دی ہے، اور اس پر ایسا اصرار کرتے ہیں جیسا کسی منصوص چیز پر ہونا چاہیے۔ پھر اس سے زیادہ خطرناک غلطی یہ کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کو بعینہ وہ سنت قرار دیتے ہیں جس کو قائم و جاری کرنے کے لیے آپ مبعوث ہوئے تھے، دراں حالیکہ جو امور آپؐ نے عادتاً کیے ہیں، انھیں سنت بنا دینا، اور تمام دنیا کے انسانوں سے مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کریں، اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہرگز منشا نہ تھا" (ر م، ج ۱، ص ۲۴۱)

۱۱۔ آخر میں ہم اجتہاد کے باب میں سید مودودی کی اہم مجتہدانہ خدمات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں، کہ یہ مستقبل کی نقشہ گری میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔

وہ اہمیت کے لحاظ سے مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب میں اجتہاد کا مقام جہاد کے پہلو بہ پہلو رکھتے ہیں: "جب مسلمان تھک گئے، ان کی روح جہاد سرد پڑ گئی، قوت اجتہاد شل ہو گئی، تو ان کی ترقی کی رفتار رک گئی، اور وہ امامت کے منصب سے معزول ہو گئے۔ جہاد اور اجتہاد کا جھنڈا جس کو مسلمانوں نے پھینک دیا تھا، مغربی قوموں نے اٹھا لیا، وہ علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے، مسلمان سوتے رہے اور امامت کا منصب ان کو مل گیا (تنقیحات۔ ت ن، ص ۳۸-۳۹)۔

مسلمانوں کی ذہنی غلامی کی وجہ بھی ترک اجتہاد ہے: "مسلمان جب تک تحقیق و اجتہاد کے میدان میں آگے بڑھتے رہے تمام دنیا کی قومیں ان کی پیرو اور مقلد رہیں جب وہ اکتساب علم اور اجتہاد فکر کی راہ میں تھک کر بیٹھ گئے تو گویا انھوں نے خود دنیا کی راہ نمائی سے استعفیٰ دے دیا" (ت ن، ص ۸-۹)۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان، مسلمان رہنا چاہتے ہیں، مگر ان کے دماغ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اسلام سے منحرف ہو رہے ہیں۔

دوسرے، وہ اجتہاد کی نوعیت اور ضرورت کا تعین کرتے ہیں: یہ مشکل "اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک مسلمانوں میں آزاد اہل فکر نہ پیدا ہوں گے پرانے اسلامی محققین و مفکرین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا۔ دنیا اب آگے بڑھ چکی ہے۔ اس کو اب الٹے پاؤں ان منازل کی طرف واپس لے جانا ممکن نہیں جن سے وہ چھ سو سال پہلے گزر چکی ہے۔ علم و عمل کے میدان میں راہ نمائی وہی کر سکتا ہے، جو دنیا کو آگے کی جانب چلائے نہ کہ پیچھے کی جانب" (ت ن، ص ۱۰)۔

تیسرے وہ اسلام کے علمی جمود کا تجزیہ کرتے ہیں: ہمارے اہل علم نے 'الا ماشاء اللہ' اسلام کو ایک جامد اور غیر متحرک چیز بنا دیا ہے۔ غالباً چھٹی صدی ہجری کے بعد سے ان کے ہاں جنتری بدلنی بند ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی ہے - دنیا بدل کر کہیں سے کہیں پہنچ رہی ہے ' دنیا کے حالات ' خیالات ' رجحانات ' نظریات بدل کر کچھ سے کچھ ہو رہے ہیں ' تمدن کے معاملات اور مسائل کتنے پلٹے کھا رہے ہیں ' مگر یہ راہ نما ابھی تک ماضی میں رہتے ہیں ' اسی فضا میں سوچتے ہیں ' اسی کے مناسب حال باتیں کرتے ہیں - وہ ہر چیز کو ان کتابوں میں تلاش کرتے ہیں جو خدا کی کتابیں نہیں کہ زمانے کی قیود سے بالا تر ہوں - وہ ان انسانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خدا کے نبی نہیں کہ ان کی بصیرت اوقات اور حالات کی بندشوں سے آزاد ہو - پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ایسے وقت میں مسلمانوں کی کامیاب راہ نمائی کر سکیں جب زمانہ بالکل بدلتا جا رہا ہے (ت د ' ص ۱۴۱-۴۲-۴۳-۱۸۱)

چوتھے ' وہ اس خرابی کی جڑ کا تعین کرتے ہیں: اصول ہاتھ سے چھوٹ گئے ' فروع نے اصول کی جگہ لے لی ' اور پھر ان سے ہزار در ہزار فروع نکل آئے جو اصل اسلام قرار پا گئے - ملت اسلامی اس ترتیب پر قائم تھی: پہلے قرآن مجید ' پھر رسول اللہ ' پھر اہل علم کا اجتہاد ... بدقسمتی سے اس ترتیب کو بالکل الٹ دیا گیا (ت د ' ص ۱۸۲)-

پانچویں وہ انسانی اجتہاد کا مقام متعین کرتے ہیں: کسی انسان کا اجتہاد دنیا کے لیے دائمی اور اٹل قانون نہیں بن سکتا ' کیونکہ اس کی عقل اور علم دونوں ہمیشہ زمانہ کی قیود سے مقید ہوتے ہیں (ت د ' ص ۱۸۲)

چھٹے ' وہ آج کے چیلنج کا تعین کرتے ہیں: نئے نئے پیچیدہ علمی و عملی مسائل حل کیے جائیں ' غالب مغربی تہذیب کے اصول و مبادی کو سمجھا جائے ' ان کے علوم کا مطالعہ کیا جائے ' ان کے کار آمد علمی اکتشافات اور عملی طریقوں کو اخذ کیا جائے ' نئے کل پرزوں کو تمدنی زندگی میں اس طرح نصب کر دیا جائے کہ صدیوں کے جمود کے نقصان کی تلافی ہو جائے ' اور اسلام کی گاڑی پھر سے زمانے کی رفتار کے ساتھ چلنے لگے (ت د ' ص ۱۴۱)-

ساتویں ' وہ جمود کو حرکت میں بدلنے کی تدبیر تجویز کرتے ہیں: صحیح تدبیر یہ نہیں ہے کہ فرنگیت اختیار کی جائے ' اسلام کی قطع و برید شروع کر دی جائے ' ائمہ مجتہدین کی عمارتوں کو ڈھا دیا جائے ' حدیث کے سارے ذخیرے کو آگ میں پھونک دیا جائے ' کلام الٰہی میں ترمیم و تنسیخ کی جائے - صحیح تدبیر صرف یہ ہے کہ جس ترتیب کو الٹ دیا گیا ہے اسے پھر سے سیدھا کر دیا جائے ' قرآن و سنت کو پیشوا بنایا جائے ' ائمہ سلف کی جن چیزوں کو بدلنے کی ضرورت نہیں انھیں بدستور رہنے دیا جائے ' مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ جو کچھ وہ لکھ گئے ہیں ' اٹل قانون ہے (ت د ' ص ۱۸۶-۱۸۷)

آٹھویں ' وہ فقہ و تمدن کی طرح دعوت و اصلاح اور انقلاب اسلامی کی حکمت عملی کے دائرہ میں بھی اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں: کوئی بھی ایک تدبیر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پکڑ کر نہیں بیٹھ سکتا -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر ایک وقت ایک تدبیر موزوں اور کارگر ہو اور دوسرے وقت نہ رہے، تو بلاتامل اس کو بدل دیں۔ جو شخص حالات اور مواقع و ذرائع کی تبدیلی کے ساتھ اصولوں پر عمل درآمد کی شکلیں نہ بدل سکے، وہ اس عطائی طبیب کی طرح ہے جو ایک نسخہ لے کر بیٹھ جائے اور آنکھیں بند کر کے تمام مریضوں پر اسے جوں کا توں استعمال کرتا چلا جائے (ل ع، ص ۵۹-۶۰، ۱۱۵-۱۱۷)۔

اسلام کی اصولی دعوت ایک ہی ہے، لیکن تمام معاشرے ایک جیسے نہیں ہوتے، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حالات بعینہ وہی ہوں جو کسی نبی کے عہد میں تھے۔ اس لیے اسلام کے لیے کام کرنے والا وقت اور مقام کے حالات دیکھے اور سمجھے، اور ایسا طریق کار اختیار کرے جو ان حالات میں مناسب ترین ہو (ر د، ن ۵، ص ۲۲۶-۲۲۷)۔

اس سلسلے میں وہ جمود کے اصل سبب پر انگلی رکھ دیتے ہیں: "اصل رہنما اور حقیقی مصلح [جیسے سید مودودی تھے] اجتہاد و فکر سے کام لیتا ہے اور وقت اور موقع کے لحاظ سے جو مناسب تدبیر ہوتی ہے اسے اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد جو لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں وہ اندھے مقلد ہوتے ہیں۔ جس طریقے کو اس نے وقت کے لحاظ سے اختیار کیا تھا اس طریقے پر یہ اس وقت کے گزر جانے کے بعد بھی آنکھیں بند کر کے چلے جاتے ہیں، اور اتنا نہیں سوچتے کہ ماضی میں جو انسب تھا حال میں وہی انسب ہے۔ پچھلی صدی کے راہنماؤں کے بعد، ان کے متبعین آج بھی اسی روش پر اصرار کر رہے ہیں جس پر ان کے راہنما انھیں چھوڑ گئے تھے، حالانکہ وہ وقت جس کے لیے انھوں نے وہ روش اختیار کی تھی گزر چکا ہے۔ اب اجتہاد و فکر سے کام لے کر نیا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے" (ت ن، ص ۱۷)۔

آج کی ضرورت، آج کا چیلنج یہی ہے۔ سید مودودی نے اپنی فکری خدمات پر "فکر مودودی" کی چھاپ لگنے کی شدت سے روک تھام کی، اور ان کو معیار حق ماننے کا کسی کو پابند نہیں کیا، تو صرف اس لیے کہ "راہ خدا میں ان کے ہم سفر" آنکھیں بند کر کے نہ چلیں۔ آج ان کی فکر کے صحیح وارث وہی ہو سکتے ہیں جو، ان کی فکری خدمات کی روشنی میں، اجتہاد و فکر سے کام لیں، ماضی کے اسیر نہ ہوں، حال کے مناسب طریقے اختیار کریں، اور مستقبل کے نقیب بنیں، ٹھیک جس طرح انھوں نے اپنے زمانے میں کیا۔

© rasailojaraid.com